خلافتِ ارض کیلئے سائنس اور ٹکنالوجی کی اہمیت

قرآن حکیم کی نظر میں

خلافت ارض اور علم اسماء

جناب مولوی محمد شہاب الدین صاحب ندوی ناظم فرقانیہ اکیڈمی، (بنگلور)

(قسط سوم)

۱۸۔ علم مقادیر اور عصر جدید میں اس کی اہمیت | اوپر کی تفصیل سے یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ یہ عالم آب وگل اضداد اور مقادیر کا مجموعہ ہے۔ ہر چیز میں مخصوص اثرات اور مخصوص مقداریں ہوتی ہیں جو دوسری چیز میں نہیں پائی جاتیں۔ مگر ان چیزوں کے تقابل سے ایک دوسرے کی تاثیرات کا ازالہ ہوتا رہتا ہے اور ان کے خواص ایک دوسرے پر غالب آتے رہتے ہیں۔ جب دو چیزیں باہم ملتی ہیں تو ان کے خواص طبعی میں ایک کشمکش شروع ہو جاتی ہے اور یہ اجزاء وعناصر ایک دوسرے پر غلبہ پانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کشمکش میں جیت اس جز یا عنصر کی ہوتی ہے جس کے خواص طبعی زیادہ مؤثر اور طاقتور ہوتے ہیں[1] مگر اس باہمی کشمکش کی بنیادی صفت کے باوجود

---

[1] مثلاً دودھ اور پانی جب باہم ملتے ہیں تو دودھ کا رنگ پانی پر غالب آجاتا ہے۔ اگر دودھ میں تھوڑی سی شکر ڈال دی جائے تو اس کے اجزاء گھل کر دودھ کے تمام اجزاء (سالمات) کے ساتھ مل جاتے اور انھیں میٹھا کر دیتے ہیں۔ یہی حال دیگر تمام اشیاء کا بھی ہے۔

ان اجزاء و عناصر کا باہمی اتحاد اور تال میل کی کیفیت بھی کچھ کم اہم نہیں ہے۔ جب یہ اجزاء و عناصر باہم ملتے ہیں تو وقتی کش مکش (کیمیاوی تعامل اور ردّ عمل) کے بعد حیرت انگیز طور پر باہم شیر و شکر ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ہم کو مختلف قسم کے سالمات (مالیکیولس) اور کیمیاوی مرکّبات (کامپاؤنڈس) کی شکل میں نظر آتا ہے۔ گویا کہ ان کے درمیان کسی قسم کا "جھگڑا" ہی نہیں ہے۔ اس نقطۂ نظر سے جب دنیا کی مختلف اشیاء کا جائزہ لیا جائے تو اس سے مختلف علوم کی بنیاد پڑتی ہے۔ مثلاً:

۱۔ غذا اور جڑی بوٹیوں کے طبّی (Medicinal) خواص و فوائد کا جائزہ لیا جائے تو اس سے علم المفردات اور علم الادویہ وجود میں آتا ہے۔

۲۔ دنیا کی تمام چیزیں جن بنیادی اجزاء و عناصر سے مرکّب ہیں اگر اُن اجزاء و عناصر کے خواص و تاثیرات کا جائزہ لیا جائے تو اس سے علم کیمیا (Chemistry) کی بنیاد پڑتی ہے۔

۳۔ اشیائے عالم میں جو قوتیں (حرکات و سکنات کے اعتبار سے) کارفرما ہیں اگر ان کا منظم مطالعہ کیا جائے تو یہ علم طبیعیات (Physics) کہلائے گا۔

اس طرح مظاہر عالم کے خواص و تاثیرات کا دائرہ بہت وسیع اور آفاقی ہے۔ انہی تمام چیزوں کا علم حضرت آدمؑ کو دیا گیا تھا، جن کا علم اولادِ آدم بتدریج حاصل کر رہے ہیں۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز اور کائنات کا ایک ایک مظہر ایک خاص مقدار میں اور بالکل نپا تُلا ظہور پذیر ہوا ہے، خواہ وہ عالم حیوانات کی قبیل سے ہو یا عالم نباتات سے، جمادات سے ہو یا افلاک سے۔

وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ۝ اور اُس کے ہاں ہر چیز ایک متعیّن مقدار کے ساتھ ہے۔ (رعد - ۸)

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ○ اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کو باضابطہ بنایا (فرقان – ۲)

وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ○ اور ہم نے زمین میں ہر چیز نپی تُلی پیدا کی ہے۔ (حجر – ۱۹)

موجودہ دور سے پہلے ہم "مقدار" "تقدیر" اور "موزون" اشیاء کی اصل حقیقت سے ناواقف تھے مگر آج ان چیزوں کی حقیقت اور ربانی کلمات کی قدروقیمت، علم المفردات، علم الادویہ اور حیاتیاتی علوم[1] کی تحقیق وتدوین کے باعث پوری طرح واضح ہو چکی ہے۔ جو لوگ ان علوم سے ناواقف ہیں وہ ان آیات کریمہ کا صحیح مفہوم اور ان کی صحیح قدروقیمت سے واقف نہیں ہو سکتے۔ مثلاً یہ علم کہ مختلف غذائی اشیاء میں مواد لحمیہ (Protiens)، مواد نشائیہ (Carbohydrates) مواد شحمیہ (Fats)، معدنی نمکیات (Mineral Salts) اور حیاتین (Vitamins) وغیرہ کا تناسب کیا ہے اور ان کے فوائد وخصوصیات اور تاثیرات کیا ہیں؟ اور بنیادی طور پر یہ غذائی مادّے کن اجزا وعناصر پر مشتمل ہیں اور کس قدر حیرت انگیز تناسب کے ساتھ ان مادّوں کی تعمیر وتشکیل کرتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ، تفصیلات کا

---

[1] خصوصیت کے ساتھ حیاتیات (Biology) کی وہ شاخیں جو انواع حیات کے کیمیاوی تجزیہ وتحلیل سے متعلق ہیں۔ مثلاً:

حیاتیاتی کیمیا ——— Biochemistry

سالماتی حیاتیات ——— Moleculer Biology

کیمیاوی خوردبینی حیاتیات ——— Chemical Microbiology

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

یہ موقع نہیں ہے۱۔ کارخانۂ قدرت میں شاید سب سے زیادہ دلچسپ یہی علم ہے۲۔ انسان کی صحت اور اس کے معاشی واقتصادی فوائد اور دیگر بہت سے اغراض ومقاصد کی رُو سے ان علوم کی تحصیل بے حد ضروری اور اہم ہے۔ ظاہر ہے کہ اس

---

۱ اس موضوع پر حسب ذیل کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا:

۱۔ ہماری غذا، مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند

۲۔ دیہاتی معالج، مطبوعہ ہمدرد دواخانہ دہلی

۳۔ Encyclopedia of Medicinal Foods, London.

۴۔ Encyclopedia of Medicinal Herbs, London.

۲ مثلاً تمام غذائی مادّے اور دنیا کی اکثر و بیشتر چیزیں زیادہ تر چودہ عناصر (جو کثیر الاستعمال ہیں) سے مرکب ہیں۔ جیسے آکسیجن، ہائیڈروجن، نائٹروجن، کاربن، کیلشیم، میگنیشیم۔ الخ مگر ذرا سے تناسب کے بدل جانے سے چیزیں کچھ سے کچھ ہو جاتی ہیں بعض اوقات صرف ایک ایٹم کے اِدھر یا اُدھر ہونے سے بہت بڑا فرق ہو جاتا ہے۔

ایک دلچسپ مثال دیکھیے ہیرا اور کوئلہ سو فیصد کاربن کی بنی ہوئی چیزیں ہیں۔ مگر ایک انتہائی خوبصورت، چمکدار، قیمتی اور سخت ترین (دنیا کی تمام چیزوں میں سب سے زیادہ سخت) ہے، جبکہ دوسرا سیاہ فام، بدصورت، ارزاں اور بھُربھُرا ہے۔ کیا یہ ایک حیرت انگیز چیز نہیں ہے؟ اسی طرح آکسیجن عنصر کی بنیادی خصوصیت چیزوں کو جلنے اور جلانے میں مدد دینا ہے اور ہائیڈروجن ایک جلنے والی گیس ہے۔ مگر ان دونوں کے کیمیاوی تعامل سے پانی وجود میں آتا ہے جو ان دونوں کی مفرد خصوصیات کے برعکس بالکل ایک نئی خصوصیت کا حامل ہوتا ہے یعنی آگ کو بجھانے میں مدد دینا۔ انسان ان چیزوں کے اسرار و عجائب کی اصل کنہ و حقیقت سمجھنے اور ان کا صحیح ادراک کرنے سے قاصر ہے۔

کارزارِ حیات میں جدوجہد ہماری صحت پر موقوف ہے۔ پھر طبی علوم کی تعلیم وتدریس اور دواسازی وغیرہ کی معاشی اہمیت بھی ظاہر ہے۔ آج کل تو مختلف طبی آلات اور نئی نئی مختلف قسم کی دواؤں کی اتنی صنعتیں اور فیکٹریاں قائم ہو گئی ہیں جن کا شمار بھی مشکل ہے۔ ان علوم میں ریسرچ اور مختلف پودوں اور دواؤں پر تحقیقات کے الگ شعبے اور علمی ادارے اور اکیڈمیاں قائم ہیں۔ اس طرح "علم مقادیر" (مختلف اجزاء وعناصر اور ان کے درمیان تناسب کا علم) سے صحیح فائدہ عصر جدید کا انسان اٹھا رہا ہے۔ جو لوگ اس علم سے نابلد رہیں گے وہ نہ صرف مخلوقاتِ الٰہی اور موجوداتِ عالم کی حقیقت سے ناواقف رہیں گے بلکہ "علم مقادیر" میں پیچھے ہونے کے باعث اس علم سے حاصل ہونے والے مادّی فوائد سے بھی عاری رہیں گے۔ انسان کی تخلیق کا بنیادی مقصد اگرچہ اصولی اعتبار سے معاش نہیں بلکہ معاد ہے مگر معاش کے مسئلہ کو یکسر نظرانداز بھی نہیں کیا جاسکتا، بلکہ درحقیقت معاد کی صلاح وفلاح بھی معاش ہی کی صلاح پر منحصر ہے۔ ان دونوں میں توازن قائم رکھنا چاہیے، ورنہ خلافتِ ارض کے تقاضے پورے نہیں ہوسکتے۔

۱۹- صرف اسماء حقائق نہیں۔ (طبیعی وحیاتیاتی علوم کی نارسائی) اسماء اور علمِ اسماء کی یہ بحث اس وقت تک نامکمل رہے گی جب تک کہ اس کے ایجابی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اس کے سلبی پہلوؤں پر بھی نظر نہ ڈالی جائے۔ فکر ونظر کے تزکیہ کے لیے تصویر کے یہ دونوں رُخ نظروں کے سامنے رہنے چاہئیں۔ اس بحث سے جہاں ایک طرف "علم آدم" کی صحیح نوعیت واضح ہوتی ہے تو دوسری طرف قرآن حکیم کی عظمت وبرتری کا ایک نیا اور حیران کن پہلو سامنے آتا ہے اور چودہ سو سال قبل کے دعوے آج بھی اپنی جگہ پر اٹل اور ناقابلِ ترمیم وتغیر نظر آتے ہیں۔

چنانچہ عصر جدید کی بےمثال علمی ترقی، جدید سے جدید تر بےشمار علوم وفنون کی

تحقیق وتدوین اور مادّی اشیاء کے ہزاروں جزئیات وخصوصیات اوران کی باریکیوں کا علم حاصل کرلینے کے باوجود انسان اب تک ان چیزوں کی اصل حقیقت وماہیت یا اُن کے باطنی اسرار واحوال کا ادراک نہیں کرسکا ہے؛ بلکہ اس کا علم محض ان چیزوں کے "ظاہری آثار وخواص" ہی تک محدود ہے۔

چنانچہ علّامہ سید سلیمان ندوی نے زیر بحث آیت کریمہ "وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا" سے خوب استنباط فرمایا کہ آدمؑ کو صرف اسماء کا علم دیا گیا تھا، اصل حقائق کا نہیں۔ اور انسان کا علم آج بھی وہیں ہے جہاں وہ روز اوّل تھا[1]۔

مطلب یہ کہ انسان کو پہلے ہی دن جو نام بتادیے گئے تھے (خواہ وہ مسمّیات سے متعلق ہوں یا آثار وخواص سے) آج کا انسان باوجود اپنی ہمہ جہتی علمی ترقی کے اس پر ایک تنکے برابر بھی اضافہ نہیں کرسکا ہے۔ انسان اشیائے عالم کا جس باریک بینی اور دقتِ نظر سے تجزیہ کرتا جارہا ہے، نئی نئی چیزیں ــــ مختلف اجزاء وعناصر کے روپ میں ــــ اس پر منکشف ہورہی ہیں، جن کے ظاہری افعال وخواص سے تو وہ مستفیض ہوسکتا ہے مگر ان کی باطنی حقیقت وکیفیت سے وہ ناآشنائے محض ہے۔ بالفاظ صریح آج کا انسان طبیعی اور حیاتیاتی علوم کے بہت سے گوشوں کو بے نقاب کرچکا ہے اور مختلف انواع حیات کی ساخت وپرداخت اوران کے ترکیبی مادوں کا تفصیلی علم رکھتا ہے۔ علم کیمیا اور علم خلیات (citology) کی باریکیوں سے بخوبی واقف ہے۔ مظاہر حیات میں پائے جانے والے عناصر اور ان کی کارفرمائیوں کا علم "حیاتیاتی کیمیا" (Biochemistry) اور علم "کیمیائی خوردبینی حیاتیات" (Chemical Micro Biology) کے ذریعہ احاطہ کررہا ہے مگر اس قدر تفصیلی علم اور گہری واقفیت حاصل کرچکنے کے باوجود اس بنیادی راز کی

---

[1] ماخوذ بتغیر قلیل از سیرت النبی، ۴/۹۰۔

پردہ دری نہ کرسکا کہ ان اجزاء و عناصر سے آخر جسموں کے اندر کونسی کیمیاوی تبدیلی کس طرح اور کیوں کر واقع ہوجاتی ہے؟ خلیوں (Cells) کے اندر کی پیچیدہ مشنری کیوں کر حرکت میں آتی ہے اور ان کے بنیادی مادہ (پروٹو پلازم) میں کیا تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں؟[1] مختلف قسم کے ہزاروں لاکھوں خلیوں کے درمیان باہمی تعامل اور تبادلے کا سلسلہ ابتداءً کیونکر جاری ہوتا اور پھر ہمیشہ کیسے قائم رہتا ہے؟[2] ہماری اندرونی دنیا کے وسیع علاقے

---

[1] حیاتیات کے جہاں بہت سے مسلمات ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔ اور ان حقائق کا اعتراف ہمیں درسی کتابوں تک میں نظر آتا ہے۔ مثلاً "علم نباتات" کا مشہور مصنف اے سی دتّا لکھتا ہے:
"ہم جانتے ہیں کہ تخمایہ (پروٹو پلازم) بجائے خود ایک زندہ مادّہ ہے جو بہت زیادہ پیچیدہ پروٹینوں (مواد لحمیہ کے سالمات) کا مجموعہ ہے۔ اسی وجہ سے غذائی پروٹین (جو خارج سے جسم کے اندر داخل کیے جاتے ہیں) پیچیدہ پروٹو پلازمی پروٹینوں میں بدل جاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر غذا بے جان شے سے جاندار شے یعنی پروٹو پلازم میں داخل ہوتی ہے۔ یہ نظام تغذیہ کا بنیادی ہدف ہے۔ یہ پُراسرار تغیر کس طرح واقع ہوتا ہے اس کو ہم نہیں جانتے۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ پروٹو پلازم (تمام زندہ اشیاء کا بنیادی مادہ) میں اس کی کوئی قوت پائی جاتی ہے۔"

A class Book of Botany, by A.C. Dutta, P. 277 oxford University Press, 1978.

Botanay For Degree Students, by A.C. Dutta P. 361, oxford University Press, 1979.

[2] ایک امریکی محقق کرک (F. H. C. crick) کے الفاظ میں: "ہماری ناواقفیت کا وسیع علاقہ یہ نہیں ہے کہ خلیہ کے اندر کیا ہورہا ہے بلکہ یہ ہے کہ خلیوں کے درمیان کیا ہورہا ہے؟ اس بارے میں ہمارا علم محض جزئی ہے، کیونکہ ہمارا (موجودہ) علم ہمارے مشاہدات کی تشریح کے لیے
بقیہ حاشیہ صفحہ پر)

(حاشیہ بقیہ صلا)

بالکل ناکافی ہے۔"

The Encyclopedia of Ignorance, P. 302 Oxford, 1978.

خلیہ کا جغرافیہ | " ہر خلیہ اپنی جگہ پر ایک کارخانہ ہے جس میں ہمیشہ مختلف قسم کا کیمیادی تعامل اور ردعمل ہوتا رہتا ہے" (انسائیکلو پیڈیا آف اگنورنس ص۱۳۳)

" ہر خلیہ اپنے اندر ایک عجیب و غریب دنیا رکھتا ہے۔ ۱۹۵۰ء سے پہلے خلیہ کے اندرون کے تفصیلی مطالعہ کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس موقع پر پہلی مرتبہ جب کہ طاقتور برقی خوردبین کے ذریعہ اس کے اسرار وانکشاف ہوئے، جو کسی چھوٹی چیز کو ایک لاکھ گنا زیادہ بڑا کرکے دکھاتی ہے۔ اس طرح بصری طور پر اس کے اندر واقع ہونے والے کیمیاوی تغیرات وغیرہ کا مشاہدہ ممکن ہوسکا۔"

The Chemistry of Life, P. 17, Penguin Books, 1977.

ہر جاندار کی ابتداء ایک خلیہ سے ہوتی ہے۔ پھر خلیوں کی تعداد میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جاتا ہے اُن کی پیچیدگی بھی بڑھتی جاتی ہے۔ سب سے زیادہ تعجب خیز چیز مختلف خلیوں (یا زندگی کی اکائیوں) کے درمیان اتحاد عمل کا مظاہرہ ہے، جس پر تمام ماہرین سائنس حیران ہیں کہ ایک خالق وصانع اور نگران و ناظم کے بغیر اس قدر منظم و مربوط مظاہرہ کس طرح ہوسکتا ہے؟ اسی اتحاد عمل کی بدولت مختلف خلیے مل کر ایک عضو بناتے ہیں۔ پھر تمام اعضاء اتحاد عمل ہی کے باعث ایک جسم کی تشکیل کرتے ہیں جو ربوبیت کا حیرت انگیز شاہکار ہوتا ہے ——— خلیوں کا نشو و نما نہایت درجہ منظم اور حیرت انگیز طور پر ہندسی اشکال میں ہوتا ہے۔ گویا کہ کوئی ماہر انجینئر ایک ایک خانے کو ناپ ناپ کر اور تراش تراش کر بنا رہا ہے۔ کیا مجال ہے کہ کوئی خانہ چھوٹا یا بڑا ہوجائے، یا اس میں کوئی بدنظمی اور انتشار رُونما ہوجائے۔ (خلیوں کے یہ ہندسی اشکال شہد کی مکھیوں کے چھتوں سے بہت

(حاشیہ بقیہ ص۱۳ پر)

اب تک نامعلوم ہیں۔ خلیے کے پیچیدہ اور عارضی اعضاء کے بنانے کے لیے کس طرح کیمیاوی مادوں کے سالمے باہم مل جاتے ہیں[1]؟ جینز (Genes) اور کروموسوم (Chromosome) کا حیرتناک عمل کس طرح ہوتا ہے؟ اور اس عجیب و غریب عمل کے ذریعہ نسلی وراثتی خصوصیات کس قدر تنظیم و انضباط کے ساتھ پچھلی نسلوں سے اگلی نسلوں میں منتقل ہو رہی ہیں[2]؟ تمام زندہ اجسام کا لازمی مادہ پروٹین ہے مگر پروٹین کے ایک سالمہ (Molecule) کی ساخت اور اس کی مشنری کو سمجھنے سے انسانی عقل عاجز اور بے بس نظر آتی ہے[3]۔

(بقیہ حاشیہ صلا)

متشابہت رکھتے ہیں)۔ ایک انسانی جسم میں تقریباً دو ہزار کروڑ خلیے ہوتے ہیں۔ گویا کہ ایک انسانی وجود دو ہزار کروڑ "زندہ اجسام" یا "کارخانوں" یا "زندگی کی بنیادی اینٹوں" کا مجموعہ ہے، جن میں ہر آن کچھ کیمیاوی تغیر ہوتا رہتا ہے۔

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر الکسس کیرل کی مشہور کتاب Man the Unknown کا اردو ترجمہ "نامعلوم انسان" ص۱۳، مطبوعہ مدراس یونیورسٹی۔

[2] ایک ماہر حیاتیات کہتا ہے: "یہ کہنا کہ جسم کی ساخت کو جینز (Genes) کے ذریعہ کنٹرول کیا جاتا ہے، سائنٹیفک نقطۂ نظر سے اس کی تشریح کرنا اس سے زیادہ مشکل ہے بہ نسبت یوں کہنے کے کہ اس کو خدا کے ذریعہ کنٹرول کیا جاتا ہے۔"

The Encyclopedia of Ignorance. 252, 1978.

[3] "پروٹین جو تمام ذی حیات خلیوں (cells) کے لیے اجزائے لازم کی حیثیت رکھتے ہیں، پانچ عناصر پر مشتمل ہیں: کاربن، ہائیڈروجن، نائٹروجن، آکسیجن اور گندھک۔ پروٹینی سالمہ ان عناصر کے ۴۰،۰۰۰ ہزار دقیق ایٹم پر مشتمل ہوتا ہے۔" (خدا موجود ہے)

"پروٹین کے ایک سالمہ میں امینیو ایسڈس (Amino Acids)

(حاشیہ بقیہ صلا پر)

(بقیہ حاشیہ ص۲۶۹)
کے سیکڑوں یا ہزاروں سالمے ہوتے ہیں۔" (ڈکشنری آف بیالوجی، مطبوعہ پینگوئن بکس لندن)۔

"پروٹین کے سالمہ (مالیکیول) میں امینو ایسڈ کی ترتیب کا مسئلہ دنیائے سائنس کو بدحواس کر دینے والا ہے" (Asimov's Guide to Science. Vol 2, P. 80)

"پروٹین کا سالمہ (اپنی ساخت کے لحاظ سے) فن تعمیر کا ایک اعلیٰ اور عظیم الشان نمونہ ہے جس کو قدرت نے پیدا کیا ہے۔ لاتعداد گوناگوں اور پیچیدہ طریقوں سے اس میں جواہر (Atoms) اکٹھا ہو جاتے ہیں" (Outlines of Zoology, P.16)

"اب تک دریافت شدہ پروٹینوں میں سب سے ہلکے پروٹین کا وزن ہائیڈروجن اٹم کے وزن سے گیارہ ہزار گنا ہے جبکہ سب سے بھاری پروٹین کا وزن دس ملین گنا (ہائیڈروجن کے ایک کروڑ ایٹموں کے وزن کے برابر) ہے" (ایضاً ص۱۶)

"پروٹین امینو ایسڈ کے لمبے سلسلوں سے وجود میں آتے ہیں۔ اس میں سب سے زیادہ اہمیت اس طریقے کی ہے جس سے یہ سلسلے باہم ملیں۔ اگر یہ غلط شکل میں یکجا ہو جائیں تو زندگی کی بقا کا ذریعہ بننے کے بجائے مہلک زہر بن جاتے ہیں" (خدا موجود ہے)

"حیوانات کی ہر نوع میں سیکڑوں مختلف قسم کے خلیے ہوتے ہیں۔ اور حیوانات کی بے شمار انواع میں سے ہر نوع اپنے ایک مخصوص طرز کے پروٹین کی حامل ہوتی ہے۔ پروٹین کے اقسام حیرت انگیز طور پر عظیم ہیں" (آؤٹ لائنس آف زوالوجی ص۱۶)

"پروٹین ایک نہایت ہی پیچیدہ مرکب ہے جو زندہ مادہ کا اہم ترین جز ہے۔ زندہ چیزوں کا جسم زیادہ تر پروٹین ہی سے بنا ہوا ہوتا ہے۔ پروٹین اور زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جہاں زندگی ہے وہاں پروٹین کا موجود ہونا ضروری ہے۔ زندہ پروٹین کی خصوصیت اس کی از خود تحویل کی قوت ہے۔ از خود تحویل سے یہ مراد ہے کہ کوئی زندہ
(حاشیہ بقیہ ص۲۷۱ پر)

مادہ کے ساتھ حرکت یا زندگی کا کیا تعلق ہے ؟ اس کو سائنس اب تک دریافت نہیں کرسکی۔ ان اجزاء و عناصر کی حرکات اور کیمیاوی تغیرات ہی کا صحیح علم انسان کو حاصل نہیں ہوسکتا تو ظاہر ہے کردہ حیات اور مظاہر حیات کا بھی صحیح علم وادراک نہیں کرسکتا۔ چنانچہ احساس، ادراک، شعور اور تعقل وغیرہ کو ابھی رہنے دیجیے، جو زندگی کے اعلیٰ مظاہر ہیں، صرف اس کے ادنیٰ مظاہر تک کی بھی اس کو کوئی شدید حاصل نہیں ہوسکی۔ چنانچہ "حیات" کی ان نارسائیوں کے باب میں ماہرین حیاتیات اپنے علوم کی ابتدا ہی اس نکتہ سے کرتے ہیں :

Life itself is mysterious, and its origin still remains shrouded in mystery.

ترجمہ : زندگی بجائے خود پُراسرار ہے اور اس کے مادہ کا راز بھی اب تک پردۂ خفا میں ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب : "بائنس فار ڈگری اسٹوڈنٹس" از اے سی دتّا۔ (مقدمہ) آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۹ء)

حیاتیات کا سب سے اہم ترین اور بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ "زندگی" کیا ہے اور مادۂ حیات (پروٹو پلازم) کیونکر وجود میں آیا ؟ مگر کوئی بھی ماہر اس مسئلہ کو ہاتھ نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ)

شے اپنی اصلی حالت پر زیادہ دن قائم نہیں رہ سکتی۔ اس میں کیمیاوی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اس کی تحلیل ہوتی رہتی ہے" (جدید معلومات سائنس، حصہ اول، ص ۱۳۶)

" تمام زندہ چیزوں میں مخصوص قسم کے مادے پائے جاتے ہیں جو اس قدر پیچیدہ ہوتے ہیں کہ سالہا سال کے تجربوں کے بعد بھی کیمیاداں یہ دریافت نہیں کرسکے ہیں کہ ان کی اندرونی ساخت کیسی ہے۔ یہ پیچیدہ مادے صرف جاندار دنیا میں پائے جاتے ہیں، ان کی کوئی مثال بے جان دنیا میں نہیں ملتی" (ایضاً، صفحہ ۱۵)

لگا سکتا اور اس پر کسی قسم کا اظہار رائے یا لب کشائی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کا تعلق نیچر یا علوم طبیعی سے نہیں بلکہ براہ راست سُوپر نیچر یا عالم فوق الطبیعی سے ہے[1]۔ تمام سائنس داں بہر بلب ہیں اور اس بنیادی مسئلہ کو نظر انداز کر کے دیگر ادنیٰ درجہ کے مسائل و مباحث سے تعرض کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کو اب بھی ایک موہوم سی امید ہے کہ سائنسداں رفتہ رفتہ تمام معموں کو حل کر لیں گے اور کل اسرار سے واقف ہو جائیں گے۔

کتاب The Chemistry of Life کا مصنف اسٹیون روز (Steven Rose) حیاتیات کی ایک شاخ "حیاتیاتی کیمیا" کے بعض پیچیدہ اور ناحل مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"حیاتیاتی کیمیا ابھی ایک جدید علم ہے اور بہت سی چیزوں کا صرف 'نصف ادراک' ہی کیا جا سکا ہے، یا غلطی سے یہ بات آج مان لی گئی ہے کہ ان کے مکمل ادراک کے لیے ہم کو محققین کی دوسری یا تیسری نسل کا انتظار کرنا چاہیے۔"

(ملاحظہ ہو کتاب مذکور، مطبوعہ پینگوئن بکس لندن، ص ۲۵۳، ۱۹۷۵ء)

یہ حیاتیات کے باب میں علم انسانی کی نارسائیوں کی محض ایک جھلک تھی۔ طبیعی علوم (Physical Sciences) جن کا اطلاق خصوصیت کے ساتھ طبیعیات اور علم کیمیا پر ہوتا ہے، میں اس کی ناواقفیتوں کا بھی یہی حال ہے اس موقع پر چونکہ تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہے (کیونکہ یہ موضوع بجائے خود

---

[1] ڈاکٹر الکسس کیرل نے اس حقیقت کا اعتراف اس طرح کیا ہے: "اور یہ دنیا نامعلوم اور پوشیدہ قوتوں کا مجموعہ ہے ...... اس کی تخلیق طبیعیات اور ہیئت کی فنی مہارتوں کے ذریعہ ایک نامعلوم مادہ سے ہوئی ہے۔" (نامعلوم انسان صلہ، ترجمہ از افضل العلماء محمد یوسف کوکن عمری ایم۔ اے، مدراس)

ایک مستقل مضمون کا طالب ہے)، لہٰذا یہاں پر صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔
انسان، مادہ کی سب سے چھوٹی اکائی جوہر (ایٹم) اور اس کے اجزاء (الکٹران، پروٹان اور نیوٹران) اور مختلف ایٹمی مرکزوں سے خارج ہونے والی شعاعیں: الفا شعاعیں (Alfa Rays)، بیٹا شعاعیں (Beta Rays) اور گاما شعاعیں (Gama Rays) وغیرہ سب کا علم نہایت درجہ مشقت اور باریک بینی کے ساتھ حاصل کر چکا ہے۔ اور اس حقیقت کا بھی پتہ لگا چکا ہے کہ الکٹران میں منفی برقی چارج اور پروٹان میں مثبت برقی چارج ہوتا ہے۔ مگر وہ اس راز پر سے پردہ نہ اٹھا سکا کہ یہ برقی چارج بذاتِ خود ہے کیا اور وہ کس طرح کام کرتا ہے؟ مثبت اور منفی چارج کی کیا خصوصیات ہیں؟ اور ان کی تعریف کیا ہے؟ واضح رہے کہ مثبت (Positive) اور منفی (Negative) کے "نام" محض ان کے باہمی کشش و دفع کرنے کی ایک "ظاہری خاصیت" کی بنا پر رکھا گیا ہے ورنہ ان کی صحیح منطقی تعریف ممکن نہیں۔ اور نہ خود ان برق پاروں ہی کی حقیقت و اصلیت معلوم ہے۔

یہ تو اُن برق پاروں کا حال تھا جن سے دنیا کے تمام عناصر (Elements) کی تشکیل ہوئی ہے۔ اب خود ان عناصر اور ان کے "کیمیاوی تغیرات" کو دیکھیے تو اور زیادہ حیرت ہوتی ہے۔ عناصر کی دنیا "طلسم ہوشربا" سے کسی بھی طرح کم نہیں ہے۔ غرض اب تک جتنے بھی عناصر اور ان کے اندرونی اجزاء دریافت ہو چکے ہیں وہ سب کے سب محض "نام ہی نام" (اسماء) ہیں۔[1] اس عالم آب و گل میں جتنی بھی چیزیں اور جتنے بھی "کیمیاوی تغیرات"

[1] مثلاً ہائیڈروجن، آکسیجن، نائٹروجن، کاربن، کلورین، سلفر، فاسفورس، سلیکون، کیلشیم، میگنیشیم، پوٹاشیم، لوہا اور سوڈیم وغیرہ۔ ان عناصر کی خصوصیات منفرد طور پر کچھ ہوتی ہے تو مرکب ہونے کے بعد کچھ اور ہو جاتی ہے۔ (جیسے پچھلے صفحات میں پانی کی مثال دی جا چکی ہے) اور انسان یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

(مختلف عناصر کے باہمی ملاپ اور تعامل سے وجود میں آنے والے سالمات اور مرکبات) پائے جاتے ہیں ان کی صحیح صحیح توجیہہ و تعلیل نہیں ہو سکتی اور کوئی قطعی و یقینی علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس حقیقت عظمیٰ کا اظہار قرآن حکیم میں اس طرح کیا گیا ہے:

وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ○ اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ (اسراء ۸۵)

جن چیزوں کو ہم سائنسی ادب یا اپنی بول چال میں "حقائق اشیاء" یا "اسرار سربستہ کی راز جوئی" وغیرہ کہتے ہیں، وہ دراصل مادی اشیاء کے محض چند ظاہری پہلو ہوتے ہیں، جن کو دریافت کر کے انسان خوش ہو جاتا ہے کہ اس نے "حقائق" پر سے پردہ اٹھا دیا ہے، حالانکہ اصل حقائق کے مقابلے میں اُن کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اسی کو قرآن حکیم اپنے بلیغ اسلوب میں "علم قلیل" سے تعبیر کرتا ہے[1] یہ بھی محض انسان کا دل رکھنے

---

[1] ایک مغربی فاضل نے اس ابدی صداقت کا بہت خوبی کے ساتھ اعتراف کر کے اس ربانی اصول پر مہر تصدیق اس طرح ثبت کی ہے:

"سائنس کے لئے اکتشافات "نامعلوم" میں غوطے نہیں لگاتے، بلکہ وہ اُن مشاہدین کے ذریعہ جن کی آنکھیں تاریکی میں بہ نسبت دوسروں کے زیادہ گہرائی کے ساتھ حقیقت تک پہنچ سکتی ہیں، "معلوم" کے چند دھندلے سے حاشیے بناتے ہیں لیکن یہ سوال کہ سائنس میں "معلوم" کیا ہے؟ اس کا فلسفیانہ جواب ہوگا "کچھ بھی نہیں"۔ جب کوئی ماہر سائنس یہ کہتا ہے کہ "کچھ معلوم ہے" تو اس کی مراد محض یہ ہوتی ہے کہ وہ (طبیعی) واقعات کے سلسلے میں ایسی چند یکسانیتوں کو جانتا ہے جو اس تصور کو بظاہر معقولیت بخشتی ہیں کہ یہاں پر (علت و معلول کی بنا پر) چند اسباب کارفرما ہیں۔ اور مشاہدہ میں آئی ہوئی یہ یکسانیتیں اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ یہ مظاہر چند قوانین کے تابع ہیں۔"

The Encyclopedia of Ignorance,
P. 252.

اعلاس کی ہمت افزائی کے طور پر ہے کہ کہیں وہ اپنی تحقیق و تفتیش سے بددل نہ ہو جائے۔
حقیقت یہ ہے کہ انسان صرف اشیاء کے "ناموں" (الاسماء) اور ان کی ظاہری کارکردگیوں" (علم قلیل) ہی سے واقف ہے، اُن کی اصل حقیقت و ماہیت (وہ باطنی اسرار جو امور غیب میں داخل ہیں) سے واقف نہیں [1] اور اس میں راز یہ ہے کہ کہیں یہ ذرّۂ خاک تمام چیزوں کی حقیقت سے واقف ہو کر اس کائنات میں "خود مختار" اور خودسر نہ ہو جائے یا خدا کی برابری کا دعویٰ کرنے نہ لگ جائے، بلکہ اس کو اپنی کمزوری اور بے بسی کا شدید احساس ہوتا رہے۔ اور دوسری حیثیت سے وہ یہ محسوس کرے کہ وہ کسی اور کی مملکت اور قلمرو میں رہتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے سے ایک برتر اور ہمہ دان وہمہ بیں ہستی کے وجود کا اعتراف کر کے (جس کا مشاہدہ اس عالمِ مادی میں قدم قدم پر ہو رہا ہے) اُس کے حضور میں سجدہ ریز ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ "مادہ" میں ودلیعت شدہ فوائد سے تو مستفید ہو سکتا ہے مگر وہ کسی بھی طرح مادہ کی "آخری حقیقت" معلوم نہیں کر سکتا۔ یہ علم اصلی و حقیقی صرف اس کے خالق و مالک (جلّ جلالہٗ) کو ہی ہو سکتا ہے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ اور اُسی کے پاس ہیں مخفی چیزوں کی (تمام) کنجیاں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (انعام ۵۹)

یہ عالمِ مادی کی ایک عظیم ترین حقیقت اور سرّ الٰہی ہے۔ جس کے اقرار و اعتراف سے کسی بھی وسیع النظر عالم اور محقق کو چارۂ کار نہیں ہے۔ پچھلے صفحات میں آپ چند

---

[1] اللہ تعالیٰ نے اظہار ربوبیت کے طور پر اس مادی کائنات میں دو طرح کے قوانین جاری کیے ہیں: (۱) ظاہری (۲) اور باطنی۔ انسان محض ظاہری قوانین ہی کو معلوم کر سکتا ہے۔ باطنی یا خفیہ قوانین کا پتہ چلانا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ باطنی قوانین کی راز جوئی خدا کی خدائی میں دخل دینے کے مترادف ہے اور انسان کبھی اس پوزیشن میں آ ہی نہیں سکتا۔

ماہرین سائنس کے بیانات ملاحظہ کر چکے ہیں، اب اس موقع پر فلسفیانہ نقطۂ نظر سے بھی چند اعترافات ملاحظہ ہوں: دورِ جدید کا مشہور فلسفی اور عالم فطرت ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے:

"علم طبیعی ہم کو ایک محدود دائرہ تک لے جاتا ہے، جس سے آگے ہم جا نہیں سکتے اور سبب اوّل اور اس کی حقیقت کا ادراک کر نہیں سکتے ہیں"[1]

عہدِ حاضر کے سب سے بڑے فلسفی اور مادہ پرست (Materialist) برٹرنڈرسل (Bertrand Russel) تک کو اقرار و اعتراف ہے کہ مادی علوم کی ترقی جس رفتار سے ہو رہی ہے اسی نسبت سے جہل میں بھی اضافہ ہوتا جارہا ہے:

"سائنس کی حالیہ ترقیوں نے ایک بہت بڑی تکلیف دہ صورت حال سے دوچار کردیا ہے کہ ہر ترقی ہمارے علم کو اس سے کم کر دیتی ہے جتنا ہم پہلے حاصل سمجھتے تھے"[2]

مختصر تاریخ سائنس کا مؤلف سرڈبلیو سی ڈامپیرس لکھتا ہے:

"علم کا دائرہ جتنا وسیع ہوتا جارہا ہے اتنا ہی عدم علم یا نامعلوم کا رقبہ بھی وسیع تر ہوتا جارہا ہے اور جتنا زیادہ ہم نامعلوم میں گھستے ہیں اتنا ہی جو کچھ ہم کو وہاں ملتا ہے اس کو صاف و سادہ قابل فہم الفاظ میں بیان کرنا دشوار ہوتا ہے"[3]

حاصل یہ کہ انسان کا علم روز اول ہی سے "علم الاسماء" تک محدود تھا اور "حقیقۃ الاسماء"

---

[1] منقول از تفسیر الجواہر، ۱/۳۵۔

[2] Will to Doubt، بحوالہ مذہب اور سائنس، ص ۱۴۶۔

[3] A Short History of Science, by W.C. Dampier بحوالہ مذہب اور سائنس، از مولانا عبدالباری ندوی، ص ۱۴۶

تک نہیں پہنچ سکا اور نہ کبھی پہنچ سکتا ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ایک طرف انسان ایٹم کا سینہ چیر کر اس کے اندر ودیعت شدہ توانائیوں (ایٹمی قوت) سے مستفید ہو رہا ہے اور عناصر کے باہمی آمیزہ سے طرح طرح کے عجائبات کا اظہار کر رہا ہے (ملاحظہ ہو دوسرا اور تیسرا باب)۔ مگر دوسری طرف حقیقت نفس الامری کے اعتبار سے وہ ان عناصر کی الف ب سے بھی واقف نہیں ہے۔ یعنی "معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد"۔ اس عالم رنگ و بو میں نہ صرف زندگی اور اس کے مظاہر پر اسرار ہیں بلکہ خود مادہ اور اس کے ظواہر بھی پراسرار اور حیرت انگیز ہیں۔

نظریۂ میکانیت (Machanism) کی ناکامی | ان ٹھوس اور ناقابل تردید حقائق کے ملاحظہ سے اٹھارھویں اور انیسویں صدی کے ان تمام مادیین (Mataialists) کے دعوے باطل ہو جاتے ہیں اور میکانیت پسندوں کا سر غرور نیچا ہو جاتا ہے جن کا دعویٰ اور عقیدہ تھا کہ اس جہانِ آب و خاک کی کل مشنری اور اس کے تمام کل پرزوں کی مادی و میکانکی نقطۂ نظر سے توجیہہ و تعلیل کی جا سکتی ہے اور ہمیں اس آب و رنگ میں کسی فوق الطبیعی قوت کے تسلیم کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے اس نظریہ کی تشریح بڑی خوبی کے ساتھ کی ہے:

" دنیائے مادیات میں نیوٹن اور تاریخ فطرت میں ڈارون کے اکتشافات کی انتہاء بالآخر میکانیت پر ہوئی۔ اور پھر یہاں تک کہا گیا کہ ہمارے سب مسائل دراصل طبیعیات ہی کے مسائل ہیں۔ یعنی دوسرے لفظوں میں یہ کہ حیات، فکر، ارادہ، احساس غرض یہ کہ ہر شے کی توجیہہ جواہر اور ان کی خواص کی بنا پر، جو گویا بالذات ان میں موجود ہیں، ہو جائے گی۔ یوں میکانیت کا تصور جو سرتا سر ایک طبیعی تصور ہے ہمہ گیر اصول بن گیا اور فطرت کے ہر پہلو کی تشریح اس کے ماتحت ہونے لگی"۔ [1]

---

[1] تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، ص ۹۳

بیسویں صدی کی تحقیقات نے اس باطل عقیدے کی کمر توڑ کر رکھ دی یعنی وہ نظریہ جو قانونِ علیت (Causation) کے میکانکی تصور کی بنیاد پر قائم کیا گیا تھا، جدید طبیعی تصورات مثلاً نظریہ اضافیت اور کوانٹم تھیوری وغیرہ کے منظر عام پر آنے کے بعد زمین بوس ہوگیا۔

"علمی دنیا کا یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ جب نیوٹن کے نظریوں پر مبنی طبیعیات انیسویں صدی میں اپنے عروج پر پہنچ رہی تھی، عین اسی زمانے میں پے در پے چند ایسے تجربے اور مشاہدے ہوئے کہ خود اس علم کی بنیادیں ہل گئیں اور علم طبیعیات میں ایک ہمہ گیر انقلاب رونما ہوا: مادہ اور توانائی، ذرہ اور موج، جوہر اور عنصر، زمان و مکاں اور علت و معلول جیسے بنیادی تصور ہی سرے سے بدل گئے۔ اور خود قوانین قدرت کا بھی ایک نیا مفہوم لیا جانے لگا۔ ان تغیرات نے نیوٹن اور میکسول کی طبیعیات کی بجائے اس جدید طبیعیات کی تشکیل کی جس کی بنیاد کوانٹم اور اضافیت کے نظریوں پر رکھی گئی ہے"[1]

ڈاکٹر الکسس کیرل نظریہ میکانیت کے علمبرداروں پر تنقید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"نفسیاتی مظاہر کو خلیوں کی فعلیات یا حرارتی میکانکس کی اصطلاحات میں بیان کرنا محض الفاظ سے کھیلنے کے مترادف ہوگا۔ تاہم انیسویں صدی کے میکانکی ماہرین فعلیات اور ان کے چیلے جن کا وجود اب تک چلا آرہا ہے، اسی غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ انسان کو طبیعیات اور کیمیا کے اندر محصور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ صحیح تجربات سے اس قسم کے غیر منصفانہ نتائج اخذ کرنا درحقیقت خاص خاص فنون میں غلو کا نتیجہ ہے"[2]

---

[1] مذہب اور سائنس، مقدمہ از ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، ص ۳۶ - ۳۷

[2] نامعلوم انسان، ص ۵۴

ایک دوسری جگہ بیان کرتا ہے:

"یہ کہنا کہ دماغی خلیے دماغی افعال کا مرکز ہیں ایک فضول ادعا ہوگا کیونکہ دماغ کے خلیوں میں دماغی افعال کا مشاہدہ کرنا ممکن نہیں ہے۔" ؎۱

یہ ہے نظریۂ میکانیت اور مادہ پرستانہ طرز فکر کے عروج و زوال کی داستان جو اپنے اندر بہت سی عبرتیں اور بصیرتیں رکھتی ہے۔ ایک حیثیت سے دیکھیے تو انسان مادہ کے بنیادی اجزاء و عناصر کے اسرار اور اس کی باریکیوں کا دقتِ نظر سے جائزہ لے رہا ہے، علم کیمیا کے میدان میں حیرت انگیز کرشمے دکھا رہا ہے، ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم بنا رہا ہے (جو انہی عناصر کے دقیق علم کا نتیجہ ہے)، افلاک پر ڈورے ڈال رہا ہے اور چاند ستاروں کی تسخیر کر رہا ہے مگر دوسری حیثیت سے دیکھیے تو وہ اتنا بے بس ہے کہ اس کو ایک ذرہ کی بھی اصل حقیقت و ماہیت کا کوئی علم نہیں ہے۔ موجودات عالم کی صحیح کنہ و حقیقت کو وہ نہیں جانتا اور زندگی کے مبادی سے بھی وہ واقفیت نہیں رکھتا بلکہ ہر چیز کو حیرت و استعجاب کی نظروں سے دیکھتا اور تحیر و درماندگی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

انسانی دائرۂ کار کے یہ دونوں ہی پہلو نہایت درجہ عجیب و غریب، متضاد اور بصیرت افروز ہیں، جو دراصل اس احساس کو شدید سے شدید تر کر دیتے ہیں کہ انسان دراصل اس کائنات میں بالکل آزاد اور خود مختار نہیں ہے بلکہ کسی اور کی سلطنت اور قلمرو میں رہتا ہے۔ فکر و عمل میں آزاد ہونے کے باوجود وہ خود کو اکثر پابہ جولاں اور سلاسل عبدیت میں جکڑا ہوا محسوس کرتا ہے۔ انسان کو قابو میں رکھنے کے لیے یہ دونوں ہی پہلو مابعد الطبیعی نقطۂ نظر سے بہت اہم اور ضروری ہیں ؎۲

؎۱ تا معلوم انسان، ص ۴۳۔

؎۲ ان مباحث کے نتیجے میں ایک اور حقیقت یہ بھی ثابت ہوتی ہے کہ (باقی صفحہ ۲۴ پر)

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝
اور یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری ہستیوں میں بھی۔ کیا تم دیکھتے نہیں؟ (ذاریات: ۲۰ — ۲۱)

وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ تُنكِرُونَ ۝ اور وہ تم کو اپنے نشانات و دلائل دکھا دے گا۔ پھر تم اللہ کے کن کن نشانات و دلائل کا انکار کرتے پھروگے؟ [1]

(مومن — ۸۱)

(بقیہ صلا ۲۳) انسان جب طبیعی اور حیاتیاتی نقطۂ نظر سے اپنی اصلیت و ماہیت دریافت نہیں کر سکتا تو وہ اپنی زندگی کے ضوابط بھی خود وضع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ طبیعی و حیاتیاتی علوم کے مقابلے میں سماجی اور اقتصادی علوم محض قیاسی اور ناقابل ثبوت ہوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر سائنسی علوم کے یقینی اور قطعی مسائل میں جب کسی کلی حقیقت کا ادراک نہیں کیا جا سکتا تو پھر محض قیاسی اور غیر یقینی علوم میں قطعی بات اور حتمی صداقت کا فیصلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے جبکہ انسانی تعلقات کے قوانین ہی اب تک پوری طرح معلوم نہیں ہو سکے ہیں؟ لہٰذا وہ اپنے ضوابط زندگی کے لیے مافوق الطبیعی ہستی کے احکام و ہدایات کا محتاج ہے۔

[1] لفظ 'آیات' آیۃ کی جمع ہے، جس کے لغوی معنی نشانی یا ظاہری علامت کے ہیں۔ یہ بذات خود دلیل نہیں ہوتی بلکہ منطقی دلیل کی طرف نشاندہی کرنے والی ہوتی ہے۔ مثلاً دھواں اس بات کی علامت ہوگا کہ متعلقہ مقام پر آگ موجود ہے۔ اس لحاظ سے ہماری یہ طبیعی اور نیچرل کائنات —— اپنے تمام مظاہر اور جلوہ سامانیوں کے ساتھ —— اپنے حقائق و نشانات سے بھری ہوئی ہے جو منطقی دلائل کے مقدمات بن سکتے ہیں اور استقرائی طور پر انھیں ترتیب دے کر ان سے وہ تمام مابعد الطبیعی حقائق ثابت کیے جا سکتے ہیں جن کا ادعا قرآن اور اسلام کرتے ہیں۔

(باقی صلا ۲۵ پر)

یہ قرآن عظیم کا عجیب وغریب اعجاز ہے کہ چودہ سو سال قبل اس نے جو دعوے کیے تھے وہ اپنی جگہ پتھر کی لکیر بنے ہوئے ہیں اور پیہم ولگاتار ان کی تصدیق وتائید کا سلسلہ جاری ہے۔ کیا انسانی لٹریچر میں اس کی کوئی دوسری مثال موجود ہے؟۔

۲۰ـ وارثین علم آدم کا فریضہ | ان آیات کریمہ (وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ) کا منشاء اور تقاضہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اولادِ آدم خصوصاً "وارثین علم آدم" دنیا کی تمام چیزوں اور کل موجودات عالم کا علم حاصل کریں اور عصرِ جدید کے تقاضوں کے مطابق دینی ودنیوی ہر حیثیت سے عالم انسانی کی رہنمائی کریں۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط اور تم اپنے رب کے راستے کی طرف دانش مندی اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے بہترین طریقے سے مباحثہ کرو۔ (نحل۔ ۱۲۵)

حیرت کی بات ہے کہ جب ہم قرآن کریم میں ان آیات کو پڑھتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں اور اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہمارے "باپ" نے فرشتوں کے سامنے تمام اسماء گنا کر اپنی برتری ظاہر کر دی اور اپنی فضیلت کا سکہ بٹھا دیا۔ مگر وہ کبھی کوشش نہیں کرتے کہ اپنے باپ کا یہ علم حاصل کر کے صحیح معنی میں اس کے "وارث" بنیں اور اقوام عالم پر اپنی فضیلت وبرتری ثابت کریں جبکہ دوسری قومیں یہ علم صحیح طور پر حاصل

(بقیہ صفحہ۲۷۲) اب یہ علمائے اسلام کا کام ہے کہ طبیعی وحیاتیاتی تمام سائنسی علوم کا جائزہ لیکر قرآن کے اس عظیم منشاء ومقصد کے مطابق دلائل آفاق وانفس کی تدوین کریں۔ یہ ایک فرض کفایہ ہے جس سے آج بہت غفلت برتی جارہی ہے۔ اس کارِ عظیم کے بغیر عصرِ جدید میں قرآن کی حقانیت واضح نہیں ہوسکتی اور اس کا اصل کارنامہ ظاہر نہیں ہوسکتا بلکہ جدید انسان پر حجت بھی پوری نہیں ہوسکتی۔

کر کے نہ صرف آفاق عالم پر اپنی برتری کا جھنڈا لہرائے ہوئے ہیں بلکہ زندگی کے ہر میدان میں ہم کو نیچا دکھا رہی ہیں۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ جب حضرت آدمؑ سے کہا گیا کہ "تم ان کو تمام موجودات عالم کے نام بتا دو" تو آپ نے یہ تمام نام فرفر سنا دیے۔ مگر آج "وارثین علم آدم" کے سامنے جب "چیزوں کے نام" آتے ہیں تو وہ یا تو وحشت زدہ ہو جاتے ہیں یا ان کو "غیر اسلامی" یا "علم غیر" کہہ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ (محنت و مشقت اور فکری و اجتہادی قوتوں کے ذریعہ ان اشیاء کے آثار و خواص کو خود سے دریافت کرنا اور علم کی ترقی اور اس کی ترویج و اشاعت میں حصہ لینا تو بہت دور کی بات ہے۔) حالانکہ ان تمام اشیاء، اُن کے خواص، ان کے اعمال اور ان کی کارکردگیاں سب انھیں ازبر ہونا چاہیے تھا۔ جیساکہ اس آیت کریمہ سے مترشح ہو رہا ہے:

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ

ارشاد ہوا کہ اے آدم! تم ان کو تمام چیزوں کے نام بتا دو تو انھوں نے (فرفر) اُن کے تمام نام فرشتوں کو بتا دیے۔ (بقرہ — ۳۳)

اس "علم آدم" سے منہ موڑنے ہی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم دنیوی حیثیت سے کمزور اور زوال و انحطاط کا شکار ہو گئے ہیں ۔ اور زندگی کے ہر میدان میں دوسروں کے دست نگر بن کر گویا اقوام عالم کے محتاج اور غلام بنے ہوئے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ روئے زمین پر "خلیفہ" وہی ہو سکتا ہے جو "علم اسماء" یا "علم آدم" (تمام سائنسی و صنعتی علوم) کا صحیح معنی میں وارث ہو۔ یہ ان آیات کریمہ کا عقلی و منطقی نتیجہ ہے۔ اب مسلمان غور کریں کہ وہ اپنے باپ کے علم سے کہاں تک بہرہ ور ہیں اور خلافت ارض کے تقاضوں کو کہاں تک پورا کر رہے ہیں؟

"تسخیر فطرت آدم کی صفت، اس کا وظیفۂ حیات اور اس کا مقصود زندگی ہے۔

تیز نظرت سے مغرب نے غیر معمولی قوت حاصل کر لی ہے جن قوموں نے اس میں حصہ نہیں لیا وہ مغلوب ا فکر، وہو گئی ہیں۔ علوم و فنون کی ترقی اور تسخیر فطرت نے زندگی کے متعلق نئے زاویہائے نگاہ پیدا کر دیے ہیں، مسائل حیات کی صورت بدل گئی؛ قدیم تصورات کو نئے سانچوں میں ڈھالنا لازمی ہو گیا ہے[۱]

۲۱ — کیا حضرت آدم سائنٹسٹ تھے
ایک اعتراض اور اس کا جواب -

میرے ان خیالات سے واقف ہو کر بعض دوستوں نے سوال کیا کہ کیا حضرت آدمؑ بھی کوئی سائنٹسٹ یا ماہر سائنس تھے جو تمام جزئیات و کلیات پر حاوی ہو گئے تھے؟ میں نے جواباً عرض کیا کہ قرآن کریم کی نص قطعی (واضح اور صریح ارشاد) کی موجودگی میں یہ سوال غیر ضروری ہے۔ تفصیلات کا علم ہم کو نہیں دیا گیا؛ بلکہ اجمالاً صرف اتنا ہی بتایا گیا ہے کہ "اللہ نے آدم کو تمام اشیاء و خواص کے نام بتا دیے" اس علم کی اہمیت حضرت آدمؑ سے بڑھ کر اولاد آدم کے لیے ضروری معلوم ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اس کی توجیہ یوں کی جا سکتی ہے کہ حضرت آدم کو اگرچہ تمام علوم (فکری و نظری طور پر) سکھا دیے گئے تھے، مگر عملاً عہد آدم میں ان کا ظہور نہیں ہوا بلکہ تدریج اور بالفعل عصر بہ عصر تحقیق و تفتیش کے ذریعہ ان کا ظہور ہو رہا ہے۔

اور اس کی ایک توجیہ یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ یہ بیان دراصل قرآن حکیم کی اعجازی حکمت و رہنمائی کے تقاضے کے تحت موجودہ دور کے کاہل "اشتغال النفس" مسلمانوں کو بیدار کرنے اور ان کے تن مردہ میں نئی روح اور نیا حوصلہ پیدا کرنے کے لیے ایک تنبیہ الٰہی ہے۔ کہ وہ مایوسی اور احساس کمتری کے موجودہ جال سے باہر نکل کر

---

[۱] فکر اقبال، ص ۴۵۸ — ۴۵۹

زندگی کے میدان میں نئے جوش اور نئے عزم کے ساتھ جدوجہد کرنے اور اقوام عالم کے درمیان موجودہ مسابقت کے دور میں بازی جیتنے پر آمادہ ہو سکیں۔ قوم مسلم کو آمادۂ جدوجہد کرنا اور زندگی کے میدان میں دوبارہ سرگرم عمل کرنا موجودہ دور کی سب سے بڑی ضرورت اور خلافت ارضی کی تکمیل یا اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لیے ضروری ہے۔

لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ قرآن حکیم کی یہ اعجازی رہنمائی، خاص کر موجودہ دور کے مسلمانوں کے لیے جو انھیں ان تمام علوم و فنون کو ـــــ جن کے ذریعہ خلافتِ ارض کی تکمیل ہو سکتی ہو ـــــ نہ صرف ضروری بلکہ درحقیقت آدم کی میراث اور اس کی کھوئی ہوئی متاع قرار دیتا (وہ متاع بے بہا اور شئے گراں بہا، جس کی تحصیل ہماری عزت و سربلندی کا مدار ہے) قرآن عظیم جیسے ابدی اور لافانی کلام ہی کا خاصہ ہو سکتا ہے۔ قرآن حکیم کی یہ کوئی معمولی اور سرسری خصوصیت یا سرسری بیان نہیں ہے جس کو نظر انداز کر دیا جائے یا حقیر سمجھ کر فراموش کر دیا جائے۔ یہ قرآن حکیم کے عظیم الشان کارنامے، بے مثال رہنمائی اور اس کی لاثانی حکمت کا محض ایک نمونہ اور اس کی ایک چھوٹی سی آیت کا اعجاز ہے۔ (وعلم آدم الاسماء کلہا)۔ مگر کون ہے جو اس چھوٹے سے ربانی فقرہ کی صحیح حکمتوں اور بصیرتوں کا احاطہ اور اس کی مکمل تشریح و تفسیر کر سکے![1]

قرآن حکیم ایک زندہ اور ابدی صحیفہ ہے۔ اس کے دامن میں ایسے جواہر پارے موجود ہیں جو رہتی دنیا تک اپنے سب سے بڑے وصف "ہدایت و رہنمائی" کے مطابق زندگی کے ہر میدان میں امت مسلمہ کی ـــــ خصوصیت کے ساتھ ـــــ رہنمائی کر سکتے ہیں۔ ضرورت صرف اس کی اعجازی زبان اور اس کے اعجازی اسلوب کو سمجھنے کی ہے اور اس بحر حکمت کے آبدار موتیوں سے اقوام عالم کی نگاہیں خیرہ ہو سکتی ہیں بشرطیکہ ذہنی

---

[1] یہی وجہ ہے کہ اس جیسا بے مثال اور لاثانی کلام پیش کرنے سے تمام جن و انسان عاجز ہیں۔

کرنے اور ضرب کلیمی سے اس کے سینے کو چیرنے کی ہے۔ اوپر ہی اوپر تیرتے رہنے سے "اندر" کا حال معلوم نہیں ہو سکتا اور اس "قلزم خاموش" کے اسرار فاش نہیں ہو سکتے۔

غرض یہ تمام تفصیلات اس لیے بیان کی گئیں کہ خلافت ارض کی تکمیل کے لیے ان علوم کے ساتھ ساتھ متعلقہ مسائل کی حقیقت بھی واضح ہو جائے، جدید علوم و افکار کا ایک مکمل ذہنی نقشہ بھی ہو جائے، قرآن حکیم کا صحیح تعارف اور عصر جدید میں اس کی رہنمائی کا اعجازی پہلو کھل کر سامنے آ جائے اور اس سلسلے کے تمام شکوک و شبہات بھی رفع ہو جائیں۔ کوئی بھی بات بلا دلیل اور بلا سند نہ بیان کی جائے۔ اور حتی الامکان تمام دلائل قرآن سے لائے جائیں۔ اس مقصد عظیم کے لیے میں نے صرف ایک آیت کریمہ کو منتخب کر کے اپنی اس پوری کتاب کا مرکز بحث قرار دیا ہے۔ تمام مباحث کا دائرہ اسی ایک مرکز کے گرد گھوم رہا ہے۔

بہر حال ان علوم کی اہمیت کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اب اگلے باب میں ان علوم کی عملی حیثیت سے اہمیت و افادیت کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

اسلام کا نظام مساجد: تالیف مولانا محمد ظفیر الدین صاحب رفیق ندوۃ المصنفین

نظام مساجد کے تمام گوشوں پر ایک جامع اور مکمل کتاب جس میں مسجدوں کے مسائل پر اس انداز سے بحث کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان گھروں کے احترام، اہمیت، عظمت اور افادیت کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔ کتاب کا تعارف فاضل عصر مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے لکھا ہے جو پڑھنے کے لائق ہے۔

تقطیع ۲۲×۳۶ صفحات ۲۴۴۔ قیمت ۱۵/- روپے۔ مجلد ۱۹/- روپے۔

پتہ:- مکتبہ برہان، جامع مسجد دہلی ۶